کر لیتا۔

آج کا کارکن باتیں تو بہت سی کہتا ہے، مگر وہ ان کے ساتھ استدلال پیش نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس نے اس طرح مطالعہ نہیں کیا ہے جیسے شروع میں مولانا مودودیؒ نے ہر کارکن سے چاہا تھا۔ کاش کہ اس پہلو سے آج کی عددی پھیلاؤ رکھنے والی تحریک ایسی کمزوری کو نشو و نما نہ پانے دے۔

مولانا مودودیؒ نے اسلامی نظامِ حیات کے ایک ایک اہم گوشے کا تفصیلی خاکہ کتاب و سنّت سے اخذ کر کے دکھا دیا کہ کس طرح جدید دَور کے تمام مسائل کو بہترین اسلوب میں حل کرنے کا اہتمام موجود ہے۔ مقصد یہ تھا کہ اسلام کو محض سلوگن سمجھ کر کام نہ کیا جائے اور لوگوں سے ایک ایسی چیز کا گول مول وعدہ نہ کیا جائے جس کی تشکیل و تکمیل کا وقت آئے تو سرے سے کوئی خاکہ ہی موجود نہ ہو۔

مولانا مودودیؒ کے متعلق ایک بات بہت اچھی طرح ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ وہ محض سیاسی کھیل تماشے کے آدمی نہ تھے، بلکہ رُوحانی پہلو سے ان کا خاص مقام تھا۔ اس کا علم دو صورتوں میں خاص خاص لوگوں کو ہو سکا۔ ایک یہ کہ مصیبت زدہ اور ضرورتمند انسانوں کے ساتھ ہمیشہ اچھا سلوک کرتے رہے۔ دوسرے یہ کہ اپنے خاص اوقاتِ تنہائی میں وہ ذکر و دُعا اور مطالعۂ قرآن و حدیث میں مصروف رہتے۔ ان کی رُوحانی تجلّیات کا عکس سچے اہلِ ذوق ان کی بعض تحریروں میں پا سکتے ہیں۔ صرف ان کی دُعائیں (جو کبھی کبھی اشارات میں آئیں) پڑھ لینے سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس شخص کے تعلقات "اُدھر" کیسے تھے!

چند دوستوں نے ایک بار مِل کر ایک جامع کتاب بڑی محنت سے تیار کی جس کا نام تھا "تزکیۂ نفس" اور اس میں مولانا مودودیؒ ہی کے اشارات تھے، باعبارات۔ کس محنت سے ہم نے یہ کام مولانا کی نگرانی میں کیا اور مولانا نے خود رہنمائی بھی دی اور اس کوشش کو پسند بھی کیا۔ کچھ نہ پوچھیے کہ کس طرح یہ مسودہ ہمارے ہاتھوں سے نکلا اور دست بدست

ہوتا ہوا کہاں پہنچا ــــــ پھر کچھ پتہ نہ چل سکا کہ ایسی کوئی چیز تھی بھی یا نہیں [1]

یہ روحانی قوت ہی تھی جس کے بل پر کبھی وہ ایسی باتیں ہم سے کیا کرتے تھے کہ یہ لوگ (حکومت) میرے ساتھ اس طرح کی حرکتیں نہیں کرسکتے۔ ایسی روحانیت کے جلوے آپ پھانسی کی کوٹھڑی (۵۳ء) میں دیکھتے ہیں۔ اور اسی کی مار ہے جس کا نشانہ ہر وہ ظالم بنا جس نے مولانا کے ساتھ کوئی زیادتی کی۔ زیادتی کرنے والا بہت برے حالات کا شکار رہا۔

؎ دیدی کہ خونِ ناحقِ پروانہ شمع را
چنداں اماں نہ داد کہ شب را سحر کنند

جب کبھی کوئی خاص تحریک چل رہی ہوتی، کوئی ملک گیر سرگرمی کسی بھی جانب سے موجود ہوتی، کبھی رویتِ ہلال وغیرہ کی اختلافی صورت زیرِ بحث ہوتی تو مولانا خود دفتر یا برآمدے یا لان میں دن یا رات کو بیٹھ جاتے اور اہلِ دفتر میں سے جو بھی موجود ہوتا اُسے کہتے کہ کراچی، فیصل آباد، راولپنڈی، ملتان، پشاور ــــ وغیرہ ــــ فون کرکر کے پوچھو کہ معاملہ کیا رہا۔ پھر یہ سلسلہ جگہ جگہ چلنا، یہاں تک کہ مولانا کے پاس اتنی جامع معلومات ہوتیں کہ نہ صرف وہ مختلف دریافت کنندگان کو بتاتے بلکہ ان معلومات کی بنیاد پر جب کوئی بیان مرتب کرتے تو وہ بہت مؤثر ہوتا۔ جب کبھی انتخابات ہوتے تب بھی ایسا ہوتا۔

مجھے ایسے کئی مواقع یاد ہیں۔ خصوصاً ایک وہ تھا جب ایوب خاں کے دَور میں جماعتوں پر سے پابندی ختم کی گئی تو مولانا نے باہر کی تمام جماعتوں کو مطلع کردیا تھا کہ وہ اجازت کے آغاز سے ۲۴ گھنٹے کے اندر اندر دفتر اور جملہ نظام کو فوراً بحال کردیں۔ پھر اس کے

---

[1] پرانی داستان ہے کہ کنویں میں مقید شہزادے سے اسمِ اعظم جِنّ لے اُڑے اور دست بدست وہ آگے پہنچ گیا ــــ وہی ہمارے ساتھ ہوا۔ شہزادے نے تو ایک جِنّ کو بیل کی شکل میں پکڑ لیا تھا، ہمیں تو نہ کوئی جِنّ ملا، نہ آدمی، نہ بیل!

متعلق ہر جگہ سے مولانا نے معلومات لیں کہ کہاں کیا ہو رہا ہے۔ یہاں تک کہ اُن کا بیان آگیا کہ ہم نے چوبیس گھنٹے کے اندر اندر تمام ملک میں اپنا جماعتی وجود اور نظام بحال کر دیا ہے"۔

مولانا کے لیے یہ ایک عطیہ خداوندی تھا کہ جب کبھی کوئی بیان دیتے تو ایک طرف حکومت یا کسی مخالف قوت کو ضروری جواب مل جاتا (یا اس پہ تنقید ہو جاتی)، اور دوسری طرف کارکنوں کے چہرے تمتما اُٹھتے، جیسے کہ کوئی گمشدہ متاع مل گئی ہو۔ دراصل کارکن جن اشکالات میں اُلجھے ہوئے ہوتے اور جن بحثوں سے گذرے ہوتے اور ایک طرف مخالفین کی طرف سے طعن و تشنیع کا سلسلہ ہوتا اور دوسری طرف اپنوں کا داخلی اضطراب۔ بس اس بھڑکتی آگ پہ پانی پڑ جاتا۔

یہ کوئی پیری کی کرامت یا سیاسی ہپناٹزم نہیں تھا، بلکہ مولانا مودودیؒ جب کبھی کسی مسئلے پہ برسرِعام اظہارِ رائے کرتے تو ایک تو تخلیقی ذہن سے ندرت کی راہ نکالتے، دوسرے بات ایسے گٹھے ہوئے انداز سے کرتے اور ایسی پکی زمینِ استدلال پہ پاؤں رکھ کے کھڑے ہوتے کہ بالکل اسی طرح کارکن یہ محسوس کرتا کہ اب وہ بھی اپنے بیگانوں کے سامنے دوٹوک بات کر سکتا ہے، استدلال کی مضبوط سطح پہ کھڑا ہے۔ اور وہ اپنا سر بلند رکھ کر آگے چل سکتا ہے۔ مولانا مودودیؒ اپنوں بیانوں میں طرح طرح کے متفرق شاخسانے پیدا نہیں ہونے دیتے تھے۔ "کچھ یوں بھی" اور "کچھ یوں بھی" والی بات ہوتی تو لوگوں کو کبھی اطمینان نہ ہوتا۔ یا محض بطورِ امکان سوچیے کہ پالیسیوں کی حالت جب بھی یہ ہو کہ کبھی وہ تیز بُخار کی نبض کی طرح ہوں اور کبھی قلتِ ضغطِ دموی کی طرح سے مریل، اور ایسی کئی کئی کیفیتیں پالیسی کی ایک قرارداد یا ایک بیان میں پائی جائیں تو کارکنوں کا شعور تو ڈانواں ڈول ہی رہے گا۔

مثلاً یاد کیجیے، دَورِ ایوبی کے اس اعلان کو، کہ اگر کنونشن لیگ کسی فرشتے کو بھی کھڑا کرے گی تو ہم اُسے ووٹ نہیں دیں گے۔ اِس ذرا سے قول پہ حکومت کے تیوروں سے جھڑتی چنگاریوں سے جیب و دامن کو جلوا لیا، مگر کسی مرحلے پہ بھی اعترافِ گناہ اور

اس پر اظہارِ ندامت کی پستی نمودار نہ ہوئی ۔ اور اس چیز نے کارکنوں کے دماغ بھی بلند کر دیے۔

یہ بات مولانا نے یونہی لیڈری کی ترنگ میں نہیں کہہ دی تھی ۔ وہ اپنی جماعت کے قریبی حلقوں اور عوامی دائروں میں ایوب صاحب اور کنونشن لیگ کے متعلق پائے جانے والے ایسے اثرات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ جن کے ہوتے ہوئے تحریکی غیرت کا تقاضا یہی تھا کہ اہلِ جماعت کی مکروہ و مغضوب چیز کی طرف نہ جایا جائے ۔ ورنہ کارکن بظاہر دوسری طرح کے حکم کو بھی سر آنکھوں پہ لگائے پھر سکتا ہے ۔ مگر ساتھ ہی اس کا سر بھی چکرا رہا ہوتا ہے اور آنکھیں بھی نمناک ہو رہی ہوتی ہیں۔[1]

اپنے سے بعد والے ادوار کے لیے میں کہتا ہوں کہ خود بیانات کا رنگِ تسلسل بھی دیکھنے کا ہوتا ہے ۔ آج بات آسمان کی ، کل زمین کی ، آج رُخ مشرق کا ، کل مغرب کا ۔ آج پوری گرماگرمی ، کل حد سے زیادہ نرمی ۔ ایک دن بڑی مضبوط اصول پسندی ، دوسرے دن سازِ مصلحت کا راگ ۔ ایک دن دینی اسپرٹ سے باتیں ۔ دوسرے دن تمام تر سیاسی اندازِ تکلم ۔ اگر تمام بیانات میں ایک مشترک مرکزی رُوح موجود نہ رہے ، دین ہمیشہ جلوہ گر نہ رہے ،

---

[1] شخصی اور خاندانی اور قومی غیرت تو معروفِ عام ہے ۔ ایک غیرت تحریکِ اسلامی کی غیرت بھی ہوتی ہے ۔ مولانا نے ایک بار تحریکی غیرت کی بنا پر جس کسی کو نظر انداز کیا ۔ پھر اسے کبھی اپنائیت کے دائرے میں نہیں لیا ۔ اور کبھی اس سے دین یا تحریک یا جماعت یا اپنی ذات کے لیے کسی طرح کی خدمت نہیں لی ۔ مجھے ایک زمانے میں کمیونسٹ اجلاسوں میں جمہوریت کے لیے تعاون کرنے کو بھیجتے رہے ۔ پھر میں نے ایک بار کی جب تفصیلی رپورٹ دی کہ کس طرح دس پندرہ مصنوعی تنظیموں کے نمائندوں کے ووٹوں کے ذریعے ہمیں (میرے ساتھ کوئی اور صاحب بھی تھے) نہایت درست بات پر ناکام کر دیا تو مولانا نے ان سے سارا رابطہ ختم کر دیا اور پھر کبھی قائم نہیں کیا ۔ معلوم نہیں کہ آج ان کی پیپلز پارٹی کے متعلق کیا رائے ہوتی ۔

اصول ہمیشہ برتر نہ رہیں تو روز روز کی اَدلا بدلی ارکان اور کارکنوں کے ذہنوں کو سخت پراگندہ، مضطرب اور معترض بنا دیتی ہے۔

کیا ہی اچھا ہو کہ آئندہ کی لیڈرشپ مولانا کے بیانات اور پالیسی کے فیصلوں اور قراردادوں کو نکال کر ایک ایک لفظ کو بغور پڑھے اور اپنے لیے نتائج و اسباق اخذ کرے۔

مولانا مودودیؒ کے لٹریچر کو بغور پڑھیں یا اُن کے عملی نقشۂ کار کو دیکھیں، یہ بات بہت صاف ہو کر سامنے آتی ہے کہ اصلاح و انقلاب کا سارا دارومدار مولانا کے نزدیک بنیادی اسلامی دعوت کے فروغ پر تھا۔ اور اس اہم کام کے لیے وہ ہر مرحلے میں اور ہر مہم کے دوران یہ چاہتے تھے کہ کارکن لوگوں سے بالمشافہ رابطے کے لیے نکل کھڑے ہوں۔ عام گفتگو بھی کریں، اعتراضات کو سُنیں، جواباً دلائل دیں، جہاں ضرورت ہو لٹریچر بھی پیش کریں۔ ایک گفتگو کے بعد اس سلسلے کو آگے جاری رکھیں۔ متاثر ہو جانے والوں کے ذریعے ان کے حلقے کے نئے لوگوں سے تعلقات شروع کریں۔ ساتھ کے ساتھ لوگوں سے محبت بھی کریں۔ غریبوں کو سہارا دیں، علاج معالجے، تعلیم اور دوسرے پریشان کن مسائل میں اُن کی مدد کریں۔ شعبۂ خدمتِ خلق کام کر رہا ہو تو وہ اپنی جگہ کرتا رہے، مردوں اور خواتین کے حلقہ ہائے درس قائم ہوں وہ بھی فیض پھیلاتے رہیں۔ کوئی اخبار، رسالہ شائع ہو کر پھیلتا ہو تو وہ بھی اثر ڈالتا رہے، مزدوروں، طلبہ اور محلہ دار تنظیموں اور مصالحتی عدالتوں کے ذریعے اسلام کی روشنی کو جتنا عام کیا جاسکتا ہو، عام کیا جائے۔ جلسے اور مظاہرے ہوں تو گو وہ مزید برآں ایک طرح کی کوشش ہیں۔

اصل کام بنیادی دعوت کا ہے جو رابطۂ عام کے ذریعے ہونا چاہیے۔

اساسی نظریے کے بعد طریق کار کے تمام اجزا میں سے اہم ترین جزو یہی بنیادی دعوت کا جزو ہے، جسے مولانا نے اپنے فکری اور تحریکی ترکے میں ہمارے لیے چھوڑا ہے۔

یہ کام کماحقہٗ نہ ہو تو نہ انقلاب کامیاب ہو سکتا ہے، نہ انتخاب، اس اصل کام

میں اگر کمی رہے تو آپ نہ تو قوت کے مصنوعی مظاہروں سے اسے پورا کر سکتے ہیں، نہ بیانوں اور انٹرویوز کے ذریعے اور نہ کمزور اساس کے وقتی محاذوں اور اتحادوں کے ذریعے۔

خدا تعالیٰ ہمیں مولانا مودودیؒ کی ساری تعلیمات سے فائدہ اٹھانے کی عمومی توفیق کے ساتھ اساسی دعوت کے تقاضے کو ان کے منشا کے مطابق پورا کرنے کی توفیق دے۔ اور ان کا منشا اس بارے میں وہی ہے جو کتاب و سنت کا ہے۔

یہی اساسی دعوت اور رابطہ عام کا سلسلہ اپنے اخلاق و کردار کی تعمیر اور اس کی حفاظت میں مدد دیتا ہے۔ اسلامی تحریک کی ساری نتیجہ خیزی اخلاقی علو پر مبنی ہے، جن لوگوں کی اخلاقی ساکھ گر جائے، پھر وہ اسلامی انقلاب تو کیا لائیں گے، اندیشہ ہے کہ کسی حادثے کا جھاڑو انہیں تاریخ کے آنگن سے کوڑے کی طرح باہر نہ اٹھا پھینکے۔

مولانا کی بات یاد ہوگی کہ اس ٹکسال کے سکوں پر محض اشرفی کی مہر لگی ہونا کافی نہیں، بلکہ دھات بھی خالص سونا ہونی چاہیے۔

کیا ہمارے کرداروں کے سکوں کی دھات خالص سونا ہے؟ اگر اس میں کچھ کھوٹ میل شامل ہو گیا تو بھٹیاں اور کٹھالیاں اور کسوٹیاں موجود ہیں، اپنی اپنی صفائی اور اپنے اپنے خالص پن کی فکر کیجیے۔

وہ شخص کیا کام کرنا چاہتا تھا؟

وہ کیسے کردار کے لوگ اپنے گرد جمع کرنا چاہتا تھا؟

وہ کس طرح کی تبدیلی چاہتا تھا؟

وہ جماعت کو کتنا باوقار رکھنا چاہتا تھا؟

وہ محض سیاسی تگ و تاز چاہتا تھا یا سیاست برائے انقلاب کا علمبردار تھا؟

وہ اساسی دعوت اور بنیادی رابطوں اور اخلاقی پاکیزگی کو کتنا اہم قرار دیتا تھا؟

یہ سارے سوال اب ایسے ہیں کہ جس کی جو مرضی ہو، ویسا ہی ان کے جواب دیتا ہے اور مولانا مودودی کو بڑی حد تک نظر انداز کر دیتا ہے۔

مولانا کا وسیع لٹریچر ہر موضوع پر موجود ہے، مگر اسے ایک طرف رکھ دیا جاتا ہے۔ اس میں سے جب ضرورت ہو، کسی مسئلے پر کچھ اقتباسات اپنی ضرورت کے ہم لوگ نکال لیتے ہیں۔ اور مجموعی مدعا کے متعلق ہم سمجھتے ہیں کہ وہ تو ہم جانتے ہیں۔

اگر ہم لوگوں میں تساہل و تغافل پیدا ہو جائے تو اس سے آگے ایسا دور بھی آ سکتا ہے کہ مولانا کے پیغام اور لٹریچر اور تحریروں کی ایسی تاویلیں کی جانے لگیں کہ اُلٹ نتیجے نکلیں اور لوگ کہیں کہ زمانے کے حالات اور وقت کی ضرورتوں کے تحت یہی عمل صحیح ہے۔

ہم سب کی خواہش ہونی چاہیے کہ مولانا مودودی نے جو لکیر ۱۹۴۱ء سے کھینچ کر ۱۹۷۹ء تک پہنچائی تھی۔ اس مستقیم لکیر کو آگے بڑھایا جاتا رہے اور پیچ و خم پیدا کر کے اس لکیر کو منحنی لکیر نہ بنا دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ مولانا سید ابوالاعلیٰ کی قبر مبارک کو نور سے بھر دے اور ان کی رُوح پر رحمتوں کی شعاعیں برسائے۔ جنہوں نے ہمیں دینِ پاک کا ایسا صحیح شعور دیا کہ ہم تحریکِ اسلامی کے علمبردار بن سکیں۔